ابوطلحہ مختار اللہ حقانی *

رسول اللہ ﷺ سے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنے کی تحقیق

محترم جناب ایڈیٹر ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جناب! ماہنامہ الحق ستمبر۲۰۰۴ء جلد نمبر۳۹ ص۳۴ میں درج ہے کہ نبی کریم صلعم نے بنفس نفیس ۲۰ رکعات تراویح کی نماز ادا فرمائی ہے.....حالانکہ علمائے احناف اس کے خلاف فرماتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ: آپ ﷺ نماز عشاء سے لے کر نماز فجر تک آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے (کتاب الآثار ص۲۶) ۲۔ امام محمد تلمیذ ابوحنیفہ: رسول اللہ رمضان میں یا اس کے علاوہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہیں کرتے تھے (موطاء امام محمد مترجم ص۱۲۲) ۳۔ امام ابن ھمام حنفیؒ: ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعات ہے (ص۶۰۷ ج۔۱) ۴۔ علامہ بدرالدین عینیؒ: (عمدہ القاری ص۷۷۱ ج۔۱)

۵۔ ملا علی قاری حنفیؒ: (مرقاۃ المفاتیح ص۱۹۶، ج۱) ۶۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ: (التعلیق الممجد ص۱۶۱)

۷۔ انور شاہ کاشمیریؒ (العرف الشذی ص۱۶۶ ج۱) ۸۔ جلال الدین السیوطی: (المصابیح فی رکعات التراویح ص۱۶۔ ۹۔ عبدالحق دہلوی: (ماثبت بالسنۃ ص۲۱۷

۱۰۔ قاضی شمس الدین (القول الفصیح ص۵) ۱۱۔ طحطاوی شرح درمختار جلد نمبر۱ ص۲۹۵ ان النبی ﷺ لم یصلھا عشرین بل ثمانیاً ۱۲۔ ابوالسعود شرح کنز الدقائق ص۱۶۵۔ ج، امصری لأن النبی ﷺ لم یصل عشرین بل ثمانیاً۔ ۱۳۔ الشیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب ''فتح سرالمنان فی تائید مذہب النعمان'' کے صفحہ نمبر۳۲۷ میں لکھتے ہیں۔ ولم یثبت روایۃ عشرین منہ ﷺ کما ھو المتعارف: (مروجہ ۲۰ رکعت نبی ﷺ سے ثابت نہیں.....) تو جناب آپ کے پاس کوئی نص ہے تو بندہ کی رہنمائی فرمائیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ۲۰ رکعت تراویح ادا کی ہے۔ امید ہے ضرور جواب دیں گے۔

---

* مفتی واستاد شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دعا گو عبید الرحمان یزدانی (لائبریرین)

اشرف لیبارٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ، سرگودھا روڈ یوسف چوک فیصل آباد

باسمہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق

محترم المقام جناب عبید الرحمان یزدانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد از سلام مسنون امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آنجناب کا والہ نامہ بتاریخ ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۴ء بمطابق ۴/رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کو موصول ہوا پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آنجناب نے احقر (راقم الحروف) کے مضمون کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور پھر ایک مقام (آنحضرت ﷺ نے خود بنفس نفیس بیس رکعت تراویح پڑھی ہے) کے اصل ماخذ کے بارے میں مزید وضاحت طلب کی۔ اور اس روایت کو رد کرنے کے لئے چند اقوال اور بعض کتابوں کے حوالجات بھی تحریر فرمائی ہے۔ مکتوب ارسال کرنے کا بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ جواب حاضر خدمت ہے مگر مصروفیات و مشاغل کی وجہ سے تاخیر کے لئے معذرت خواں ہوں۔

آنجناب نے جس حدیث کے بارے میں وضاحت طلب کی ہے وہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴ اور سنن بیہقی ۲/۴۹۶/باب ماروی فی عدد رکعات الصیام فی شهر رمضان میں مذکورہ ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا یزید بن هارون اخبرنا ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴) اور سنن بیہقی میں یصلی فی رمضان بغیر جماعة عشرین رکعة الوتر کے الفاظ سے مذکور ہے۔

اسی طرح اس روایت کو عبد بن حمید نے مسند عبد بن حمید میں، علامہ بغویؒ نے اپنی معجم میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن ۲۵۴ واعلاء السنن ۷/۸۲) مگر عموماً اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں، اور گمان غالب ہے کہ آنجناب نے بھی اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں درج شدہ مفہوم حدیث کے اصل ماخذ کی وضاحت طلب کرنے کے لئے مکتوب ارسال فرمایا، اور یہ بات قرین قیاس ہے اس لئے کہ جب کسی کو اس مسئلہ کے بارے میں اتنی کتابوں کا علم ہو تو اس کو اس روایت کا اصل ماخذ کیسے معلوم نہ ہوگا، لازماً اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں یہ روایت انوکھی لگی، مگر اس اعتراض کی

حقیقت اور جواب سے قبل چند مقدمات کو ذہن نشین کرنا نہایت ہی ضروری ہے' جب ہی اشکال واعتراض کی حقیقت معلوم ہوگی اور جواب سمجھ میں آئے گا۔

(1)　مقدمہ اولی: کسی حدیث کے قابل عمل ہونے کے لئے صرف اس حدیث کی سند کا صحیح ہونا ضروری نہیں یہ اس لئے کہ اگر اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے تو پھر بہت ساری احادیث کا ترک کرنا لازم آئے گا' حالانکہ ان احادیث مبارکہ کو باوجود سند کے اعتبار سے غیر صحیح ہونے کے فقہاء کرام اور محدثین عظام نے معمول بہ بنائے ہیں۔ اور اسی پر عمل کر کے چلتے آرہے ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ لا وصیة لوارث (الحدیث) کہ وارث کے لئے وصیت نہیں۔ اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اہل حدیث ثابت نہیں کہتے۔ لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے۔ اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک انہوں نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

(۲)　اسی طرح العینان وکاء السه (الحدیث) آنکھیں سرین کے تسمے ہیں۔ یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے مگر اس کے باوجود بعض محدثین اور فقہاء کرام نے ان کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۳)　اس کے علاوہ الماء طهور لاینجسه شئی الا ماغلب علی ریحه او طعمه (الحدیث) کے بارے میں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے' مگر اس کے باوجود اہل مدینہ اور دوسرے فقہاء کرام نے اس کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۴)　اسی طرح کہ من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد اتی باباً من ابواب الکبائر (ترمذی ۱/۳۰۳) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال ابو عیسیٰ حنش هذا هو بو علی الرحبی وهو حسین بن قیس وهو ضعیف عند اهل الحدیث ضعّف احمد وغیره لیکن اس کے باوجود والعمل علی هذا عند اهل العلم ان لایجمع بین الصلاتین الا فی السفر او بعرفه (الجامع الترمذی ۱/۳۰۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں: حنش یہ بوعلی الرجی ہے اور اس کا نام حسین بن قیس ہے اور یہ راوی محدثین کے ہاں ضعیف ہے امام احمد اور دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے اس کی تضعیف کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اہل علم کا اس پر عمل ہے اور ان کے ہاں سفر اور عرفہ کے علاوہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔

(۶)　اسی طرح کہ طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان (الحدیث) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث غریب و العمل علیه عند أهل العلم من اصحاب رسول الله ﷺ وغیرهم ترمذی اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ قال قاسم و سالم عمل به المسلمون

وقال مالک شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده (۲/۴۴۱)

یہ حدیث غریب ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ کے اہل علم صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کا عمل ہے، امام قاسم اور امام سالم کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا عمل ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں کسی حدیث کی شہرت سند کی صحت سے مستغنی کر دیتی ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اسپر اہل علم کا عمل ہے۔ اور آج تک ان پر عمل چلا آ رہا ہے۔

(2) مقدمہ ثانیہ:

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث مبارک سند کی وجہ سے درجہ صحت اور درجہ حسن تک پہنچتا ہے تو اسی طرح امت مسلمہ کے تلقی بالقبول سے بھی وہ روایت باوجود سنداً ضعیف ہونے کے درجہ صحت وحسن کا مقام پالیتا ہے، اسی لئے محدثین عظام نے فرمایا ہے: قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح (تدریب الراوی ۱/۶۷) بعض نے کہا ہے کہ حدیث پر صحیح کا حکم اس وقت بھی لگایا جائے گا۔ جب امت اس کو قبول کرے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو۔

اور اسی وجہ سے محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر ۱/۴۶۱) میں فرمایا ہے کہ اذا تأيد الضعيف بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا کہ جب کسی ضعیف روایت کی صحت پر قرائن شرع دال ہوں تو وہ حدیث صحیح ہے۔

اور اسی بناء پر محدثین اور فقہاء نے کافی سارے ذخیرہ احادیث کو صحیح کہا ہے اور ان کو معمول بہا قرار دیا ہے۔

(۱) مثلاً الاستذکار میں علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ لما حكى عن الترمذى ان البخارى صحح حديث البحر هو الطهور ماؤه و اهل الحديث لا يصححون مثل اسناده لكن الحديث عندى صحيح لان العلماء تلقوه بالقبول (بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن /۶۱۔ وتدریب الراوی ۱/۶۵) ، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ البحر هو الطهور ماءه کو صحیح فرماتے ہیں اور دوسرے محدثین اس روایت کو سند کی وجہ سے صحیح نہیں کہتے مگر میرے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اس لئے کہ علماء نے اس روایت کو قبول کیا ہے

۲۔ اسی طرح علامہ محقق ابن ہمامؒ ۔ قول الترمذى (والعمل عليه عند اهل علم) يقتضى قوة أصله وإن ضعف خصوص من هذه الطريق (فتح القدیر ۱/۲۱۷) کہ امام ترمذی کا قول کہ اہل علم کے ہاں اس روایت پر عمل ہے اس روایت کے اصل کی قوت (صحت) کا تقاضہ کرتا ہے، اگر چہ انہوں نے سند کی

وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہو۔

اور کتاب الطلاق کے فصل اول میں لکھا ہے ومما یصحح الحدیث ایضاً عمل العلماء علی وفقه وقال الترمذی عقیب روایة حدیث طلاق الامة ثنتان..... حدیث غریب والعمل علیه عند اهل العلم من أصحاب رسول الله ﷺ وغیرهم (فتح القدیر ۳/۱۴۳)

علماء کا عمل بھی ان امور میں سے ہے جس کی وجہ سے حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے امام ترمذی نے طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان کے بعد فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے مگر صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے۔

۳۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے تعقبات میں ایک اور مثال ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وقال الترمذی قد رأی ابن المبارک وغیره صلوٰة التسبیح وذکروا الفضل فیه قال البهیقی فان عبدالله بن المبارک یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وذلک تقویة للحدیث المرفوع (مقدمہ اعلاء السنن /۶۲) ''کہ عبداللہ بن مبارک اور دوسرے اہل علم نے صلوۃ تسبیح کی ترغیب دی ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ صلوۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور صالحین کے ہاں یہ نماز چلی آ رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت ملی۔''

یہ چند روایات بطور نمونہ ذکر کئے گئے ورنہ اور بھی کافی ساری روایات ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں۔ جو سنداً ضعیف ہیں مگر تلقی بالقبول کی وجہ سے علماء نے ان کو صحیح کہا ہے۔ تلقی الامة بالقبول ایسی دلیل صحت ہے کہ کبھی کبھی خبر تلقی الامة بالقبول کی وجہ سے تواتر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے۔ وقد استعملت الامة هذین الحدیثین وان کان وروده من طریق الاحاد فصار فی خیز التواتر لأن ما تلقاه الناس من اخبار الاحاد بالقبول فهو عندنا فی معنی التواتر (۱/۳۸۶ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/۶۲)

ان دونوں احادیث کو امت نے معمول بھا بنایا ہے اگرچہ ان کا ورود بطریق الاحاد ہو چکا ہے مگر اس تعامل سے یہ روایات تواتر کے حکم میں داخل ہوئے اس لئے کہ لوگوں کا اخبار احاد کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے ہاں تواتر کے معنی میں ہے۔ تلقی الامة بالقبول سے حدیث ضعیف کا قابل احتجاج ہونے کا اصول علامہ صدیق بن حسن القنوجی نے الروضة الندیة ۱/۶ میں بھی لکھا ہے۔

(3) مقدمہ ثالثہ: تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث صحت سند اور تلقی الامة بالقبول کی وجہ سے صحت اور حسن کا مرتبہ پاتا ہے تو اسی طرح دوسرے قرائن شرع، مثلاً اجماع امت، شواہد اور توابع وغیرہ کی وجہ سے بھی

ضعف روایت صحت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔

اس لئے علامہ ابوالحسن بن الحصار المالکیؒ نے تقریب المدارک علی مؤطا مالک میں لکھا ہے: قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذاب بموافقة آیة من کتاب الله او بعض اصول الشریعة فیحمله ذلک علی قبوله و العمل به (تدریب الراوی۱/۶۸) کبھی فقیہ کسی حدیث کی صحت کو صرف اس وجہ سے جان لیتا ہے کہ وہ روایت قرآنی آیت یا اصول شرعیہ کے موافق ہے اور وہ اس روایت کو قبول کر کے اس پر عمل کر لیتا ہے بشرطیکہ اس روایت کی سند میں کوئی کذاب راوی نہ ہو۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اپنے استاد حافظ عراقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث فانه یقبل حتی یجب العمل به (بحوالہ التعلیقات الحافلة علی الاجوبة الفاضلة ص ۲۳۱)

علماء امت مدلول حدیث پر عمل کرنے پر متفق ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ اس پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ روایت اصول شرع کے موافق ہو اگرچہ اسکی سند میں کوئی کمزوری ہو تب بھی وہ روایت ان کے ہاں معمول بھا ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے محقق بن ھمامؒ نے لکھا ہے کہ فان ضعف الاسناد غیر قاطع ببطلان المتن بل ظاهر فیه فاذا تاید بما یدل علی صحته من القرائن کان صحیحاً (فتح القدیر۲/۸۷) سند کا ضعیف ہونا متن کے بطلان کی دلیل نہیں، بلکہ اس میں ظاہر ہے کہ جب اس صحت پر قرائن شرع میں سے کوئی قرینہ دالت کرے تو وہ روایت صحیح کہلاتی ہے۔

(4)۔ مقدمہ رابعہ: چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ کسی بھی حدیث کو قطعی طور پر اس وقت تک ضعیف اور غیر معمول بھا نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ ہو، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: و اذا قیل هذا حدیث صحیح فهذا معناه ای ماتصل سنده مع الاوصاف المذکورة فقبلنا عملاً بظاهر الاسناد لانه مقطوع به فی نفس الامر لجواز الخطاء و النسیان عن الثقة و اذا قیل هذا حدیث غیر صحیح (ضعیف) فمعناه لم یصح إسناده علی الشرط المذکور لانه کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب و اصابة من هو کثیر الخطاء (تدریب الراوی بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/۵۶)

جب یہ کہا جائے کہ یہ روایت صحیح ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ روایت ہے جس کی سند صفات مذکورہ کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، تو ہم اس کو ظاہر سند کی وجہ سے قبول کرتے ہیں لیکن اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نفس الامر میں بھی یہ روایت صحیح ہے اسلئے کہ ثقہ راوی سے بھی خطاء اور نسیان کا احتمال ہے، اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کی سند مذکورہ شرائط کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچا لیکن اس کا یہ مقصد

ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی یہ جھوٹ ہے اسلئے کہ جھوٹے سے بھی سچ اور اصابت رائے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ضعیف حدیث بھی محتج بہ بن جاتا ہے جب اس کی صحت پر کوئی قرینہ دلالت کرے اور جب قرائن اس کے خلاف ہو تو صحیح حدیث پر بھی عمل ترک کیا جاتا ہے (اعلاء السنن/۵۶)

لہذا اب ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس روایت پر ضعف کا جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لئے کہ اس روایت کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ تفرد به ابو شیبه ابراهیم بن عثمان العبسی وهو ضعیف کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی اس روایت میں متفرد ہے۔ اور وہ ضعیف ہے (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، ابراهیم بن عثمان ابو شیبة العبسی الکوفی قاض بواسط وجد ابی بکر بن ابی شیبة مروی عن زوج امه الحکم بن عتیبة وغیره کذبه شعبة لکونه روی عن الحکم عن ابن ابی لیلی انه قال شهد صفین من اهل بدر سبعون فقال شعبة کذب والله لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شهد صفین احداً من اهل بدر غیر حزیمة:

قلت سبحان الله، اما شهدها علیؓ ! اما شهد ها عمارؓ روی عثمانؓ لادارمی عن ابن معین !لیس بثقة وقال احمد ضعف وقال البخاری سکتو عنه وقال النسائی متروک الحدیث .... الخ (میزان الاعتدال ۱/۴۸)

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی واسط کا قاضی ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا، آپ نے اپنی ماں کے شوہر حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کی۔ امام شعبہ نے آپ کی تکذیب اس وجہ سے کی ہے کہ آپ نے حکم بن عتبہ عن ابن ابی لیلیٰ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ جنگ صفین میں ۷۰ بدری صحابہ شریک ہوئے تھے، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، میں نے خود حکم بن عتیبہ سے اسکا ذکر کیا تو انہوں نے حضرت خزیمہؓ کے علاوہ کسی بدری صحابی کا صفین میں شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا حضرت علیؓ بھی شریک نہیں ہوئے تھے اور حضرت عمارؓ نے بھی شرکت نہیں کی تھی، عثمان دارمی نے امام ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابوشیبہ ثقہ نہیں ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ضعیف راوی ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محدثین ابوشیبہ سے خاموش ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابوشیبہ متروک الحدیث راوی ہے۔ یہ وہ اعتراض ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی اصلیت سے انکار کر بیٹھے۔

مگر اس اعتراض کے جواب کے بارے میں علامہ محمد حسن فیض پوریؒ رسالہ تحفۃ الاخوان فی صلوۃ رمضان میں لکھتے ہیں (الجواب) اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اہل حدیث نے اسکو مجروح اور ضعیف کہا ہے، اور اس کے ضعف پر

اصرار کیا ہے مگر اس عاجز ہیچ مداں کے نزدیک یہ تمام جروحات خام اور غیر موثر ہیں' اور افسوس صد افسوس ان اھل علم پر جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی اور کسی نے مخالف اور موافق سے غور اور تامل نہ کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چند اسباب جرح کے متعدد اور متکثر ہیں مگر مال اور انجام کار ان سب کا دو امر پر ہے۔ اول جرح باعتبار عدالت اور تقویٰ کے اور دوسری جرح باعتبار حفظ اور ضبط کے اور میرے ناقص فہم میں ان محدثین کے جروحات سب کے سب عدالت کی طرف راجع ہیں حفظ اور ضبط کی طرف نہیں کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے ۷ اصفحہ ۶۸ میں اسکو حافظ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے :ابراھیم بن عثمان ابو شیبہ الحافظ انتھی لہٰذا جب اس کے بارے میں لفظ حافظ مسلم ہوا تو اب باقی جروحات ان اھل حدیث کے سب عدالت کی طرف راجع ہے' جبکہ یہی امر ممھد متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ جرح باعتبار عدالت کے بھی اس کے حق میں خام اور غیر موثر ہے' اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جن اہل علم نے عدالت کے رو سے اس کو متروک اور ضعیف کہا ہے' تو وہ سب جروحات مبہم اور غیر مفسر ہیں اور مدار ان سب کا مفسر طور پر فقط ایک ہی جرح پر ہے وہ یہ کہ ان میں سے شعبہ بن حجاج نے سب سے مقدم اور مبین السبب جرح فرمائی ہے' یعنی جو کہ شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے لکھی ہے' وھو قولہ کذبہ شعبۃ لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین من اھل بدر غیر خزیمۃ اور باقی محدثین شعبہ کے متبع اور مقلد ہیں اور سب کے سب اس کے بعد ہیں کوئی جارح ابوشیبہ کا معاصر نہیں بجز شعبہ کے تو جروحاتِ عدالت کا مدار شعبہ کی کلام پر رہا جب یہی امر ممھد متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ یہ جرح اگرچہ مفسر اور مبین السبب ہے مگر اسقدر کی جرح سے ابوشیبۃ متروک قرار دینا اور من کل الوجوہ ضعیف کہنا غلط اور بے انصافی ہے' کیونکہ اس قسم کی جرح از قبیل سہو اور نسیان ہے اور وہ چنداں خارج نہیں ورنہ ابن حجاج بلکہ خود حکم بن عتیبہ کذاب اور متروک قرار دیا جاوے گا کیونکہ ان سے بھی اس قسم کی غلطی سرزد ہوئی ہے اس لئے شعبہ اور حکم اس بات کے قائل ہیں کہ صفین میں بجز خزیمہؓ کے اہل بدر میں سے کوئی معاصر نہ تھا حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ دونوں صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے' اس واسطے شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے شعبہ کے جواب میں کہا کہ سبحان اللہ أما شھدھا علیؓ اما شھدھا عمارؓ انتھی ' اب اگر اس قدر سہو اور ذھول کے سبب ابوشیبہ متروک قرار دیا جائے تو چاہیے کہ شعبہ بن حجاج اور حکم بن عتیبہ بھی متروک قرار دے جاوے للعلۃ الواحدۃ الجامعۃ فیھم وھی عدم حفظ اصحاب بدر ' اب شعبہ بن حجاج کو امیر المومنین قرار دینا اور حکم بن عتیبہ کو اجماعی امام ثقہ کہنا اور ابوشیبہ کو ضعیف قرار دینا مع اتحاد سبب الجرح فیھم انصاف سے بعید ہے اور میں کہتا ہوں کہ ابوشیبہ کی بہ نسبت شعبہ اور اسکے شیخ حکم بن عتیبہ کی غلطی سخت ہے اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ایام میں بہت سارے بدری صحابہ کرامؓ زندہ تھے۔

منهم رفاعة بن رافع مات في اول خلافة معاويه' ابولبابة الانصاري عاش الى خلافة على' ابوطلحه الانصاري مات سنة اربع و ثلاثين و قال ابوزرعة عاش بعد النبي ﷺ اربعين سنة' سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل مات سنة خمسين او بعدها' سهل بن حنيف مات في خلافة على' عبدالله بن مسعود مات سنة اثنين وثلاثين' ابو مسعود البدري مات قبل الاربعين' عبادةبن الصامت مات سنة ثلاثين' عتبان بن مالك مات في خلافة معاوية' مالك بن ربيعة ابو السيد مات سنة ثلاثين او بعدها اب یہ تمام صحابہ اوران کے سواء دوسرے بدری صحابہ زندہ تھے کل ذلک من التقریب'

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بنسبت اور بدریوں کے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا صفین میں ہونا اظهر من الشمس تھا اور ہر فرد بشر ادنی اور اعلیٰ ذی علم میں سے اس بات کا خوب واقف ہے اور شعبہ اور حکم ان سے بھی غافل ہیں اب باوجود ایسی سخت غلطی کے جب شعبہ اور حکم مجروح نہیں تو ابوشیبہ بھی مجروح نہ ہوا وھو المطلوب اسی واسطے خاتم المحدثین اور ہمارے پیران پیر اور شیخ شیخ الشیخ نے اعنی شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ نے رسالہ تراویح میں لکھتے ہیں کہ حالانکہ ابوشیبہ ان قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات خاتم المحدثین کی راست اور درست ہے (رسائل ستہ ضروریہ ص ۲۰۰ تا ۲۰۲)

اور میں کہتا ہوں کہ علامہ فیض پوریؒ کا یہ کلام قرین قیاس ہے اس لئے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ امام ابن عدیؒ آپؒ کے متعلق فرماتے ہیں له احاديث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابي حيه (تہذیب التہذیب ۱/ ۱۴۵) اسی طرح امام بخاریؒ کے استاد الاستاذ یزید بن ھارون جو نہایت ثقہ اور اعلیٰ درجہ کے حافظ حدیث ہیں۔ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے بڑے مداح تھے آپ فرمایا کرتے تھے ماقضیٰ علی الناس یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه (تہذیب التہذیب ۱/ ۱۴۵)

یعنی ہمارے زمانے میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں تھا۔ یہاں یہ بات گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یزید بن ہارون سے بڑھ کر ابراہیم بن عثمان کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبران جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یزید بن ہارون ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے۔ وہ ابوشیبہؒ کی عدالت' تقویٰ' للّٰہیت سے خوب واقف تھے۔ اس لئے یزید کی شہادت ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے علم اور دیانت داری دونوں میں زبردست شہادت ہے۔ اور ویسے بھی کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں

ایک تدین (دینداری)' دوم اس کا قوت حافظہ' یزید بن ہارون کی شہادت کے بعد اب تو ابراہیم بن عثمان کے تدین میں تو کوئی شک باقی نہیں رہا۔ اور حافظ ابن حجرؒ اور ابن عدیؒ کی شہادت سے اسکا حافظہ بھی معلوم ہوا۔ ان دونوں امور کے ثابت ہونے کے بعد اس کو اس حد تک ضعیف قرار دینا جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث کو نا قابل استدلال قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ امام شعبہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت لیتے تھے' اور تہذیب التہذیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے امام شعبہ نے روایت لیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا ہوگا' اب اگر شعبہ کے رجوع کو مان لیا جائے تو راوی ابوشیبہ ثقہ ہوا اور اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوا جس کی وجہ سے وہ درجہ حسن میں آئے گا اور درجہ حسن کی روایت بھی قابل احتجاج ہے اس لئے یہ روایت صرف شعبہ کے جرح سے نا قابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض ان حضرات کی جرح کو مان لیا جائے اور ان کی وجہ سے ابراہیم بن عثمان کو ضعیف قرار دیا تو صرف اس سے روایت کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اس کی تائید میں عہد فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اور ائمہ مجتھدین کے اتفاق رائے جیسے قوی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ روایت قابل احتجاج ہے' مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے خود ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۰۷ء بحوالہ بیس تراویح کا ثبوت ص ۴)

غیر مقلدین کی ناانصافی: تلقی بالقبول پر مزید تفصیلی بحث کرنے سے قبل حضرات غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے' کہ تراویح کے مسئلہ میں تو احناف کے مستدل حدیث بالا پر ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے' اس سند کو پیش کرنا بدنامی اور حماقت ہے۔ مگر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں مشہور غیر مقلد حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب صلوۃ الرسول کے صفحہ ۳۴۴ پر اسی راوی کی روایت بحوالہ ابن ماجہ پیش کی ہے۔ وعن ابن عباس ان النبی قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ) کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہے۔

اور ابن ماجۃ میں اس روایت کی سند یوں ہے' حدثنا احمد بن منیع ثنا زید بن الحباب ثنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبیؐ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ ص ۱۰۷)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ضعیف راوی نہیں لیکن اگر ان محدثین کی بات مان لی جائے تو بعض کے توثیق اور بعض کی تضعیف سے اس کو مختلف فیہ راوی مان لیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا کہ ایک ضعیف روایت تلقی بالقبول کی وجہ سے بھی قابل استدلال اور صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی اس

روایت کو امت مسلمہ نے معمول بھا قرار دیا ہے اور دور صحابہ سے لے کر آج تک اسی روایت پر عمل ہوتا رہا ہے اور بیس رکعات تراویح کا عمل خیر القرون سے آج تک منقول و مشاہد ہے، خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اقوال، افعال اور فتاویٰ اس روایت کے مؤید ہیں ہم نے مقدمہ ثالثہ میں یہی ذکر کیا ہے کہ ایک حدیث ضعف سند کے باوجود قرائن شرع کی تائید سے صحیح اور قابل احتجاج بن جاتا ہے اور یہاں پر قرائن شرع یعنی اجماع صحابہ، تعامل امت اور ان کا اتفاقی عمل اس روایت کے مؤید ہیں، ذیل میں بعض آثار اور تائید قرائن ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو سکے۔

دور فاروقی: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں باقاعدہ طور پر نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا اور اس وقت سے لوگوں نے باقاعدہ طور پر بیس رکعت تراویح کا اہتمام کرنا شروع کیا۔

(۱) چنانچہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر۔ حضرت عمرؓ کے خلافت کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ (معرفۃ السنن للبیہقی ص ۳۶۷) اس روایت کی سند پر امام نوویؒ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے (شرح المھذب) علامہ سبکی، علامہ جلال سیوطی، ملا علی قاری رحمہم اللہ نے بھی اسکی سند کی تصحیح کی ہے۔

(۲) اسی طرح یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بھم عشرین رکعة بیشک حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

(۳) اسی طرح یزید بن رومان سے مروی ہے کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة (موطا امام مالک ص ۴۰) کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں رمضان میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۴) عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعة حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(۵) عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بھم عشرین رکعة (کنز العمال ۸/۲۶۴) حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں رات کو (تراویح) پڑھائے اس لئے اس نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کے بیس رکعت پڑھانے کی تحقیق کے ثبوت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ

فرماتے ہیں قدثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث فرای اکثر من العلماء ان ذالک ھو السنة لامة قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱۲/۳۳)

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے مہاجرین اور انصار (بیس رکعت پڑھتے تھے) اور کسی منکر نے بھی انکار نہیں کیا۔

دور عثمانی: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (السنن الکبریٰ ۲۹۲/۴) اسی طرح علامہ عینیؒ نے لکھا ہے وفی روایة لہ (سائب بن یزید) وعلی عھد عثمان وعلیؓ مثلہ (البنایہ ۱۰۱/۳) کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے دور فاروقی کی طرح عہد عثمانی میں بھی کسی نے بیس رکعت تراویح پر تنقید نہیں کی اور نہ اس کو بدعت کہا ہے' گویا اس دور میں سب مسلمانوں کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق رہا۔

دور مرتضوی: اسی طرح دور مرتضوی (حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت) میں بھی اسی پر مواظبت رہا' حضرت علیؓ نے خود قرأ کو بیس رکعت تراویح پڑھانے پر مامور فرمایا تھا۔ ا۔ عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتربھم (سنن کبریٰ للبیہقی ۴۹۶/۲) کہ حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرے اور خود حضرت علیؓ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔

(۲) عن ابی الحسن' انّ علیّا امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳/۲) ابوحسن سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو مامور کیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

دیگر صحابہ کرام وتابعین کا عمل: دور خلفاء ثلاثہ کے علاوہ بعد کے ادوار میں بھی قریباً جمیع صحابہ کرام کا بیس رکعت پڑھنے کا عمل تھا۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ عبدالعزیز بن رافع سے روایت کرتے ہیں:

۱۔ کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة بعشرین رکعة ویوتر بثلاث (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۵/۲) ''کہ ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔''

۲۔ عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۳) ''حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔'' اس روایت میں الناس سے مراد صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔

۳۔ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان (کتاب الاثار لابی یوسف ۴۱) ''ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ سب لوگ (تابعین و تبع تابعین) رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔''

ان آثار اور تعامل کے علاوہ مزید روایات و آثار کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ، قیام اللیل، سنن کبریٰ للبیہقی اور آثار السنن مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرامؓ کے آثار کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں: قلت والاثار فی الباب اکثر من ان تحصی (اوجز المسالک ۲/۵۳۵) میں کہتا ہوں کہ اس باب میں اتنے آثار ہیں جو گنے نہیں جاسکتے (یعنی بہت زیادہ ہیں)

اجماعی ثبوت: اور اسی پر صحابہ کرامؓ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین العینیؒ نے لکھا ہے: والیہ ذھب من التابعین ابن ابی ملیکۃ، وعطاء وابو البختری والحارث الھمدانی وسعید بن ابی الحسن، اخو الحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکر وغیرھم قال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ (بحوالہ معارف السنن (۵/۵۴۲)

عشر بیس تراویح کی طرف تابعین میں سے ابن ابی ملیکہ، عطاء بن ابی رباح، ابوالبختری، حارث سعید بن ابی الحسن اخو الحسن البصری، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور دوسرے حضرات گئے ہیں، علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور یہی رائے کوفیوں، امام شافعی اور اکثر فقہا کرام کی ہے، حضرت ابی بن کعبؓ سے یہی صحیح طریقے سے نقل ہے اور اس میں کسی بھی صحابی سے اختلاف مروی نہیں اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں، ان عمر جمع اصحاب رسول اللہ ﷺ فی شھر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بھم کل لیلۃ عشرین رکعۃ ولم ینکر علیہ احد فیکون اجماعاً منھم علی ذلک۔ ابن قدامۃ نے المغنی کے ۱/۸۰۲ پر لکھا ہے کہ وھذا کالاجماع (بحوالہ معارف السنن ۵/۵۴۳) بیشک حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کو رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا اور آپؓ نے ان کو

ہر رات بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے اور کسی اس پر نکیر نہیں کی' گویا اسی پر ان کا اجماع ہوا' علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں لکھا ہے کہ (صحابہ کرام کا نکیر نہ کرنا) اجماع کی طرح ہے۔

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ الدسوقی علی الشرح الکبیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وھی ثلاث وعشرون رکعة بالشفع و الوتر کما کان علیه عمل الصحابة والتابعین وجری علیه العمل سلفاً و خلفاً (اوجز المسالک ۲/۵۳۴)

بیس رکعات تراویح دو رکعت کے ساتھ اور تین رکعات وتر پر صحابہ کرام تابعین کا عمل رہا اور اسی پر سلفاً و خلفاً عمل ہوتا رہا ہے۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة (مرقات ۳/۱۹۴) صحابہ کرامؓ کا بیس رکعات پر اجماع تھا۔

صاحب اتحاف سادۃ المتقین فرماتے ہیں: وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمرؓ اخذ ابو حنیفة والثوری والشافعی واحمد والجمهور واختیار ابن عبدالبر (اتحاف سادۃ المتقین ۳/۴۲۴) بیس رکعات تراویح جو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اجماعاً ثابت ہے اسی کو امام ابوحنیفہؒ' امام سفیان ثوریؒ' امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور نے لیا ہے اور اسی کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

مذاہب اربعہ: جس طرح صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق تھا۔ اسی طرح مذہب اربعہ میں بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے' کسی بھی مذہب کے امام نے آٹھ تراویح کا قول نہیں کیا۔

۱۔ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں لکھا ہے: واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوان لم ینص فیه بشئی وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب۔ (جامع ترمذی ۱/۱۱۲)

رمضان المبارک کے مہینے میں قیام کا مسئلہ اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہے' بعض اہل علم وتر کے ساتھ اکتالیس رکعات کے قائل ہیں اور یہی اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے' اور اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں اور یہ رائے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام مثلاً حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے مرویات کے موافق ہے' اور

یہی سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں بیس رکعات پڑھتے دیکھا ہے۔ اور امام احمد حنبلؒ کا کہنا ہے کہ تراویح میں مختلف روایات میں (بیس سے لے کر اکتالیس تک) اسی پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ اور امام اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ ہم اکتالیس رکعت کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت کے موافق ہے، امام ترمذیؒ کی عبارت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ، تابعین، ان تبع تابعین کے زمانہ میں کہیں بھی کوئی جماعت بافرد مشہور آٹھ رکعت تراویح کا قائل نہیں تھا۔ ورنہ امام ترمذیؒ اس کا تذکرہ ضرور کرتے، ان کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان ادوار میں آٹھ رکعات تراویح کا کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ اور نہ لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

اسلیئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ولم یقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرین رکعة فی التراویح والیه جمهور الصحابة رضوان الله عنهم۔ (العرف الشذی ۱/۱۶۶) ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی بیس رکعات تراویح سے کم کے متعلق نہیں کہا ہے، اور یہی عمل جمہور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

جب ان دلائل شرع کی تائید اس روایت کو حاصل ہے تو یہ اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ جس روایت کو اعتراض کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ اعتراض غلط اور صحیح نہیں ہے بلکہ وہ درست اور قابل استدلال حدیث ہے۔ اس لئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: لاشک فی ان تحدید التراویح فی عشرین رکعة لم یثبت مرفوعاً عن النبیؐ بطریق صحیح علی اصول المحدثین وما ورد فیه من روایة ابن عباس متکلم فیها علی اصولهم لکن مع هذا لایمکن الانکار عن ثبوته بفعل عمر و سکوت الصحابة علی ذلک واجماعهم علی قبوله بمنزلة النص علی ان له اصلاً عندهم (اوجز المسالک ۲/۵۳۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیس رکعات تراویح آنحضرت ﷺ سے محدثین کے اصول کے مطابق مرفوعاً صحیح طریقے سے ثابت نہیں اور جو روایت (بیس رکعات) کی عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے، محدثین کے اصول کے مطابق متکلم فیھا ہے۔ لیکن اس کے ثبوت سے انکار کرنا حضرت عمرؓ کے فعل اور صحابہ کرامؓ کے سکوت سے ممکن نہیں ان کا حضرت عمرؓ کے فعل کو قبول کرنے پر اتفاق کرنا نص کی طرح ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں اس فعل (بیس رکعات کی تراویح) کے لئے اصل موجود ہے۔ اور یہی بات علامہ انور شاہ کشمیریؒ صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

ففی التاتارخانیة: سال ابویوسف ابا حنیفة ان اعلان عمر بعشرین

رکعة هل کان له عهد منه ﷺ قال ابو حنیفة ما کان عمر مبتدعاً ای لعله یکون له عهد فدل علی ان عشرین رکعة لابدمن ان یکون لها اصل منه ﷺ وان لم یبلغنا بالاسناد القوی ۔(العرف الشذی ۱/۱۶۶)

تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ حضرت عمرؓ کے بیس رکعات کے اعلان کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کوئی اصل ہے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بدعتی نہیں تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیس رکعات تراویح کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اصل موجود ہے اگر چہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچا ہے۔ جب یہ بیس رکعات تراویح کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے بنفس نفیس ثابت ہوا۔ جمیع صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سلفاً وخلفاً اسی پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں تو اس کے بعد آٹھ رکعت کا قائل ہونا' بیس رکعات کو بدعت اور ناجائز کہنا خرق للا جماع ہے۔ چنانچہ علامہ بنوریؒ لکھتے ہین وبالجملة :العشرون من التراویح و ثلاث الوتر هو الذی استقرعلیه الامر أخیرا کما یقوله الشعرانی فی کشف الغمة والسیوطی فی المصابیح فمن احدث خلافاً بعد هذا الاتفاق یکون خارقاً للاجماع (معارف السنن ۵/۵۴۶)

بیس رکعات تراویح اور تین وتر پر اخیر میں استقرار (دوام) ہوا جیسا کہ علامہ شعرانیؒ نے کشف الغمۃ اور علامہ سیوطیؒ نے المصابیح میں لکھا ہے' پس جس کسی نے بھی اس اتفاق کے خلاف کہا تو اس نے اجماع کو پامال کیا۔ جب کسی روایت کو صحابہ کرام کے اجماع خلفاء راشدین کا تعامل' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور اجماع امت کا تعاون حاصل ہو تو پھر بھی صرف ایک فرد کی وجہ سے اور وہ بھی اس وجہ سے جو حقیقتاً سبب جرح بھی نہیں پورے کو ضعیف اور نا قابل احتجاج قرار دینا انصاف نہیں۔

<u>احناف کی بعض کتابوں کے بحوالہ جات کا جواب:</u> اور جو حوالہ جات آنجناب نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمائے ہیں ان کے بارے میں لکھنے سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں درج شدہ جزئیات میں سے صرف ان جزئیات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو فقہاء امت کے ہاں راجح ہوں یا ان کا تعلق ظاہر الروایۃ سے ہوں' اس لئے جو جزئیات ان دونوں میں سے الگ ہوں تو وہ فقہ حنفی شمار نہیں ہوگا اس لئے اگر کسی حنفی عالم نے اس قسم کی کوئی بات لکھی دی ہو وہ اس کا تفرد اور ذاتی رائے شمار ہوتی ہے' فقہ حنفی شمار نہیں ہوگی۔ محقق العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اپنے منظوم کلام میں لکھا ہے۔

لہذا اس اصول کو ذہن نشین کرنے کے بعد جو حوالہ جات آنجناب نے اپنے مکتوب میں پیش کئے ہیں۔ وہ ان حضرات کی یا تو ذاتی رائے ہے اور یا انہوں نے کسی سے روایت نقل کی ہے اور آنجناب نے اس مقام کو سمجھنے کی سعی

نہیں فرمائی۔ کہ آیا واقعی یہ اس مصنف کا قول ہے بھی جس کا خط میں حوالہ دیا جارہا ہے' اور یہ قول اس مذہب حنفی میں رہتے ہوئے کہی ہے۔ یا اس نے کسی کا حوالہ یا روایت نقل کی ہے۔

آنجناب نے کتاب الاثار کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی تھی' اور نہ اس میں رمضان کا ذکر ہے' اس لئے اسکو تراویح کی تعداد پیش کرنا نامناسب ہے۔ اس روایت کو امام محمدؒ نے باب الصلوۃ تطوعاً میں ذکر کیا ہے اس سے مراد قیام اللیل یعنی تہجد ہے جو رمضان وغیرہ رمضان دونوں میں جائز اور مستحب ہے۔

ضروری تنبیہ:

۱۔ اگر آنجناب نے اس روایت سے استدلال اس لئے کیا ہے کہ اس میں لفظ کان ذکر ہے اور کان دوام اور استقرار کے معنی میں آتا ہے تو مقصد یہ ہوا کہ یہ اس سے مراد صلوۃ تراویح ہے اور آنحضرت ﷺ رمضان میں بھی آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کان عموماً اور کلیۃ استقرار کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ موقع اور محل کے اعتبار سے اس میں دوام پایا جاتا ہے ہر وقت دوام کے لئے نہیں ورنہ پھر اس روایت کے متصل روایت کہ کان عبداللہ بن عمرؓ یصلی التطوع علی راحلتہ کا معنی ہوگا کہ عبداللہ بن عمرؓ ہمیشہ نفل سواری کے اوپر پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ آپؓ عموماً ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کیفیت آپؓ کی صرف حالت سفر میں ہوتی تھی کہ آپ سواری کے اوپر نفل پڑھتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ کان عموماً دوام کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اور اس کے اور بھی نظائر موجود ہیں جہاں لفظ کان مضارع پر داخل ہوا مگر وہاں کسی نے دوام کا معنی نہیں لیا۔

۲۔ اسی طرح دوسرا جواب یہ ہے کہ آنجناب نے جو عبارت امام محمدؒ کی کتاب المؤطا کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ دراصل حضرت عائشہؓ کی روایت کا حصہ ہے' امام محمدؒ کا اپنا قول نہیں اور حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد کی نماز پر محمول ہے۔

۳۔ اسی طرح امام ابن ہمامؒ کے حوالہ سے جو بات مکتوب میں نقل کی گئی ہے تو وہ ابن ہمامؒ کا اپنا اجتہاد اور تفرد ہے' اس کو علماء احناف نے قبول نہیں کیا ہے' اور میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ فقہ حنفی میں مذہب کے حوالہ سے انفرادی رائے قبول نہیں ہوتی۔ اور ابن ہمامؒ کے تفردات کے بارے میں ان کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا فرماتے ہیں۔ تفردات شیخنا لا تقبل کہ میرے شیخ تفردات مقبول نہیں' اس لئے اس کو فقہ حنفی پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اسی طرح آنجناب نے جو حوالہ عمدۃ القاری کا دیا ہے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یہ احناف کثر اللہ سوادھم یا خود علامہ عینیؒ کی رائے اور فتویٰ ہے' بلکہ علامہ صاحب تو تفصیلی بحث میں آنجناب کے حوالہ کے خلاف فرماتے ہیں

وقیل عشرون وحکاہ الترمذی عن اکثر اھل العلم فانہ روی عن عمر و علی وغیرھما من الصحابۃ وھو اصحابنا الحنیفۃ (عمدہ القاری ۱۱/۱۲۶)

تراویح کی تعداد کے بارے میں ایک رائے بیس رکعت کی ہے۔ اور اسی کو امام ترمذیؒ نے اکثر اہل العلم سے نقل کیا ہے' اسی طرح حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے اور یہی ہمارے احناف کی رائے ہے۔

آنجناب نے کیسے آٹھ رکعت کی نسبت علماء احناف کی طرف کردی۔ اور اس کو علامہ عینیؒ کا قول اور رائے قرار دیا گیا۔

۵۔ اسی طرح یہی حال ملا علی قاریؒ کے مرقات کے حوالہ کی ہے' اگرچہ اختلاف فی المسئلہ کے بیان میں انہوں نے آٹھ کا ذکر کیا ہے' لیکن وہاں یہ بھی فرماتے ہیں۔ لکن اجمع الصحابة علی أن التراویح عشرون رکعة (مرقات ۳۸۲/۳) کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کرام متفق ہو چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکتوب میں درج شدہ حوالہ کی عبارت ملا علی قاریؒ کا فتویٰ یا رائے نہیں۔

۶۔ اسی طرح آنجناب نے علامہ عبدالحیؒ کے التعلیق المجد کا حوالہ دیا ہے' اس حوالے کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے بناء بر حکایت حدیث ۱۱ رکعات نقل کی ہے لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ علامہ کی رائے ہے بلکہ علامہ صاحبؒ دونوں طرح کی روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اذلاشک فی صحة حدیث عائشة وضعف حدیث ابن عباس لکن الاخذ بالراجح وترک المرجوح انما یتعین اذا تعارضا تعارضا لایمکن الجمع وھھنا الجمع ممکن بأن یحمل حدیث عائشة علی انه اخبار عن حالة الغالب کما صرّح به الباجی فی شرح الموطا وغیره ویحمل حدیث ابن عباس علی انه کان ذلک احیاناً (التعلیق المجد علی الموطا للامام محمد ۶۲۱/۱)

حضرت عائشہؓ کی روایت کی صحت اور ابن عباسؓ کی روایت کی ضعف میں کوئی شک نہیں لیکن راجح کو لینے اور مرجوع کو ترک کرنے کا سوال تب پیدا ہوگا جب دونوں میں ایسا تعارض ہو کہ دونوں کا جمع کرنا ممکن ہی نہ ہو' اور یہاں جمع کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ حضرت عائشہؓ کی روایت غالب احوال کے متعلق ہے جیسا کہ علامہ باجیؒ نے موطا کی شرح وغیرہ میں لکھا ہے' اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت أحیاناً کے متعلق ہے۔

بلکہ علامہ صاحب اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں: قلت اکتفاء النبی ﷺ علی ثمان رکعات فی التهجد' لوثبت انه لم یزد علیه شیئاً فی وقت ما' لیس من قبیل التحدید الالتزامی' بحیث لایجوز الزیادة علیه فکیف وقد قال النبیؐ الصلاة خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیستکثر فلما جازت الزیادة و واظب علی الزیادة الخلفاء کانت سنة بالنسبة الینا لا مرلزوم سنتهم (تحفة الاخبار باحیاء سنة السید الابرار ص ۱۲۷)

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کا آٹھ رکعات پر اکتفاء کرنا تہجد میں تھا' البتہ اگر ثابت ہو جائے کہ

آنحضرت ﷺ نے (رمضان میں) آٹھ رکعات پر کسی بھی وقت زیادتی نہیں کی تو یہ تحدید التزامی نہیں جس پر زیادتی جائز نہ ہو اور یہ عدم جواز کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ نماز بہترین عمل ہے، جو چاہے اس میں کمی کرے اور جو چاہے زیادہ پڑھے۔ جب نماز کی تعداد رکعات میں زیادتی جائز ہے اور خلفاء راشدین نے (رمضان میں اس پر زیادتی کرتے بیس رکعات) پر مواظبت کی تو ہمارے لئے خلفاء راشدین کی تعداد سنت ہے اس لئے کہ ان کی سنت پر عمل کرنے کے لزوم کا حکم ہو چکا ہے۔

اور حدیث ابن عباس پر بحث کرتے ہوئے خود علامہ صاحب فرماتے ہیں۔

لایقال هذا حدیث غیر مقبول کما صرّح به ائمة الفن علی ماسبق ذکره لانا نقول لم یصرّح احد منهم بانه موضوع بلی غایة ماقیل انه حدیث منکر و المنکر لیس من اقسام الموضوع بل هو من اقسام الضعیف ولیس کل ضعیف ولا کل منکر کالموضوع الذی لایحل نقله و التایید به (تحفۃ الاخبار باحیاء سنۃ سید الابرار ص ۱۲۷)

اور نہ یہ کہا جائے کہ یہ حدیث مقبول نہیں جیسا کہ ائمہ الفن نے تصریح کی ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ان ائمہ میں سے کسی نے بھی اس روایت کو موضوع نہیں کہا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ انہوں نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ اور منکر موضوع کے اقسام میں سے نہیں بلکہ منکر ضعیف کے اقسام میں سے ہے اور نہ ہر ضعیف موضوع کے مانند ہے اور نہ ہر منکر جن کا نقل اور ان سے تائید حاصل کرنا جائز نہیں ہو۔

علامہ صاحب کے مذکورہ بالا عبارات اور تصریحات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علامہ صاحب نہ خود آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہے اور نہ وہ آٹھ رکعات احناف کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہدایہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے (حاشیہ ھدایہ ۱/۱۰۱)

۷۔ اسی طرح یہی حال آنجناب کے العرف الشذی کے حوالہ کا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اگرچہ آٹھ رکعات کا ذکر العرف الشذی میں کیا ہے مگر اس میں یہ کہیں نہیں کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذاتی رائے یا انہوں نے اس کو احناف کی طرف منسوب کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو آٹھ رکعات پر اکتفا کرنے والوں کو سخت الفاظ سے یاد فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: واما من اکتفی بالرکعات الثمانیة وشذ عن السواد الاعظم وجعل ترمیهم بالبدعة فلیر عاقبته (فیض الباری ۳/۱۸۱)

کہ جو آٹھ رکعات پر اکتفا کرتا ہے تو گویا اس نے سواد اعظم سے علیحدگی اختیار کی اور جو ان کو (بیس رکعات تراویح کے قائلین) کو بدعتی کہتے ہیں وہ اپنی عاقبت (انجام) کو دیکھ لے۔

علی هذا القیاس یہی حال ان حوالجات کا بھی ہے جو آنجناب نے مکتوب میں احناف کا مذہب ظاہر کرتے ہوئے تحریر

فرمائی ہے ان میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر اور مذہبا آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہے اور اگر بالفرض کوئی ہو بھی تو وہ اس کی ذاتی انفرادی رائے ہوگی، مذہب کیساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، انکی ذاتی رائے کو ہم جمہور کی رائے اور ترجیح کے مقابل بلاضرورت نہیں قبول کر سکتے، ان وضاحتوں کے باوجود یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کتاب میں کسی عبارت کو نقل کرنے اور اپنے مذہب کے خلاف قول کی حکایت کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں کہ یہ رائے ناقل کی ذاتی یا اس کے مسلک کا مفتی بہ قول ہے۔ ورنہ اگر کسی قول کا نقل کرنا ناقل کی ذاتی رائے یا مذہب تصور کیا جانا صحیح ہو پھر تو غیر مقلدین حضرات کی کتابوں میں اس قسم کے اقوال و آراء بہت سارے ہیں جو ان کی رائے کے خلاف ہیں وعلی القیاس۔

اس لئے یہ واضح ہو کہ آٹھ رکعات تراویح نہ صحابہ کرامؓ کا مذہب رہا ہے اور نہ اسلاف و اخلاف کا اور نہ مذاہب اربعہ میں سے کوئی آٹھ رکعات کا قائل ہے۔ بلکہ یہ آٹھ رکعات تہجد کی نماز ہے جو آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھا کرتے تھے اگر اس کو تراویح قرار دیا ہے تو تراویح تو صرف رمضان میں ہوا کرتی ہے، غیر رمضان میں نہیں ہوتی جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں رمضان اور غیر رمضان دونوں میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ کی یہی تصریح واضح کرتی ہے کہ اس روایت کا تعلق قیام اللیل (تہجد) کے ساتھ ہے۔ اور تراویح الگ نماز جس کی تعداد آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک سے جو بروایت عبداللہ بن عباس ذکر ہوا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام، تابعین کے تعامل سے بیس رکعات ثابت ہے۔

آخر میں اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق بات سمجھنے، حق بولنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو تعصب، عناد اور زیغ وضلال سے محفوظ و مامون رکھے۔ (امین) اس کے علاوہ الفاظ، تعبیر اور تحریر کی غلطی کا معذرت خواں ہوں۔

وھوالموفق

(مفتی) ابوطلحہ مختار اللہ حقانی

خادم دارالافتاء والتدریس بجامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

نوٹ

قارئین : ایڈیٹر ''الحق'' کا نیا ای میل ایڈریس نوٹ فرمالیں:

Email : editor_alhaq@yahoo.com